دلائل السنن والآثار

(۵)

از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی

ارباب جرح و تعدیل کے طبقات جرح و تعدیل کے باب میں اس سے پہلے تنبیہ کی جاچکی ہے کہ محض ایک دو کتابوں سے جرح یا تعدیل کے الفاظ نقل کر دینا کسی راوی کی روایت کو رد یا قبول کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ صحیح رائے قائم کرنے کے لیے ائمۂ فن کی اصطلاحات اور ان کے اصول اور ان کے طبقات سے واقف ہونا ضروری ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک راوی کے متعلق مختلف ارباب فن کی آراء معلوم کی جائیں اور ان کے درمیان موازنہ کیا جائے۔

ائمہ جرح و تعدیل کی مختلف قسمیں ہیں (۱) جنھوں نے تمام روایات پر کلام کیا ہے جیسے ابن معین و ابن حاتم (۲) جنھوں نے اکثر پر گفتگو کی ہے جیسے امام مالکؒ و شعبہ (۳) جنھوں نے کسی کسی پر کلام کیا ہے جیسے ابن عیینہ و امام شافعیؒ۔

پھر ان تمام کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ لوگ جنھوں نے تعدیل میں سخت شرائط کو ملحوظ رکھا (۲) وہ لوگ جنھوں نے ذرا تساہل سے کام لیا (۳) وہ حضرات جنھوں نے میانہ روی اختیار کی۔

قسم اول کے لوگوں نے اثبات تعدیل میں تشدد اور افراط برتا اور راوی سے دو تین غلطیوں کے صادر ہونے پر سخت گرفت سے کام لیا ہے لہذا اگر اس گروہ کا کوئی شخص کسی راوی کی تضعیف کر دے تو اس معاملہ میں غور کیا جائیگا کہ آیا کسی اور نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے یا نہیں؟ اگر ناقدین فن میں سے کسی نے اتفاق کیا ہے تو

وضعیف ہے، اور اگر کسی نے اس راوی کی توثیق کردی ہے تو بحث و نظر سے کام لیا جائیگا - اور محدثین نے یہ جو کہا ہے کہ لا یقبل الجرح الا مفسرا (جرح قبول نہ کی جائیگی جب تک کہ اسباب جرح کی تشریح نہ کی گئی ہو) اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ قول ابن معین کا کہ فلاں ضعیف ہے اس وقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کہ اس کے ضعیف ہونے کا سبب بیان نہ کیا جائے - اسی طرح اگر امام بخاریؒ نے کسی کی توثیق کردی ہے تو اس راوی کی حدیث قبول کرنے کے لیے ایک وجہ ترجیح پیدا ہو جائیگی، نہ یہ کہ اسکی حدیث قبول کرلینا لازم ہی ہو جائیگا - اس سلسلہ میں ماہرین فن اور ارباب استقراء کا یہ قول بھی پیش نظر رہے کہ ناقدین رجال میں سے نہ کبھی دو آدمیوں نے کسی ضعیف کی تعدیل پر اتفاق کیا نہ کسی ثقہ کی تضعیف پر، یعنی جس طرح دوسرے علوم میں ماہرین فن کے درمیان اختلاف ہوتا ہے اسی طرح جرح و تعدیل کے علم میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے - اور جس طرح دوسرے علوم میں کسی ماہر کی رائے آنکھ بند کرکے قبول نہیں کی جاتی اسی طرح اس علم میں بھی نہیں کی جا سکتی -

ناقدین کے ہر طبقہ میں کچھ لوگ متشدد ہیں، کچھ معتدل اور کچھ متساہل - مثلاً طبقہ اولیٰ میں شعبہ اور سفیان ثوری ہیں اور ان میں سے شعبہ زیادہ متشدد ہیں - طبقہ ثانیہ میں یحییٰ القطان اور ابن مہدی ہیں - یحییٰ القطان زیادہ متشدد ہیں - طبقہ ثالثہ میں ابن معین اور احمد ہیں - ابن معین متشدد ہیں - طبقہ رابعہ میں ابو حاتم اور بخاری ہیں - ابو حاتم متشدد ہیں - اسی طرح تساہل سے کام لینے والوں میں امام ترمذی و حاکم اور اعتدال پسندوں میں دار قطنی و ابن عدی وغیرہ شامل ہیں[1] - جو شخص رجال کو پرکھنا چاہتا ہو اسکے لیے لازم ہے کہ ان سب کی آراء کو سامنے رکھے اور پھر ان کے درمیان موازنہ کرکے رائے قائم کرے -

راوی پر طعن کے اسباب کسی راوی کو ناقابل اعتبار ٹھیرانے کے لیے حسب ذیل دس وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ ہونی چاہیے :-

(۱) ایک حدیث جو آنحضرت صلعم سے سرزد نہیں ہوئی اسکی روایت آپ سے عمداً بطور جھوٹ کرنا -

[1] مقدمہ فتح الملہم

(۲) عمداً جھوٹی حدیث جو قواعد معلومہ کے خلاف ہو روایت کرنا۔

(۳) راوی سے بکثرت غلطی کا صادر ہونا۔

(۴) راوی سے بکثرت غفلت و نسیان کا صادر ہونا۔

(۵) راوی میں علاوہ کذب کے قولاً یا فعلاً فسق کا خدشہ (جو موجب کفر نہ ہو) پایا جانا۔

(۶) راوی میں وہم کا پایا جانا،

(۷) راوی کا معتبر روایتوں کے خلاف روایت کرنا۔

(۸) راوی کا مجہول الحال ہونا (یعنی اس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ کس حیثیت کا آدمی ہے)۔

(۹) راوی کا بدحافظہ ہونا۔

(۱۰) راوی میں بدعت کا پایا جانا۔

یہ آخری سبب کسی قدر تفصیل چاہتا ہے۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) مستلزم کفر، (۲) مستلزم فسق۔ اول الذکر کی حدیث جمہور کے نزدیک نامقبول ہے۔ مگر بعض کا قول ہے کہ مطلقاً قبول نہ کی جائے اور بعض کی رائے ہے کہ اس شرط پر قبول کی جائے کہ وہ شخص عقیدۃً اپنے قول کی تائید میں دروغ گوئی کو حلال نہ سمجھتا ہو۔

اصل یہ ہے کہ ہر اس شخص کی خبر جس پر بدعت کی وجہ سے کفر کا فتوی دیا گیا ہو مردود نہیں ہو سکتی، اسلیے کہ ہر ایک فریق مخالف کو بدعتی سمجھتا ہے بلکہ کبھی مبالغہ کر کے اس پر کفر کا فتوی بھی عائد کر دیا کرتا ہے۔ پس اگر بدعت مستلزم کفر کی وجہ سے مطلقاً خبر مردود ہو جائے تو فرق اسلام میں سے کسی کی حدیث بھی مقبول نہ ہونی چاہیے۔ بنابریں قابل اعتماد یہی قول ہو گا کہ جو بدعتی حکم متواتر شرعی ضروری کا انکار کرتا ہو یا اسکا انکار کر کے خلاف جانب کا اعتقاد رکھتا ہو صرف اسی کی حدیث مردود سمجھی جائیگی۔ باقی جس بدعتی میں یہ امر نہ ہو اور ضبط اور تقوی بھی اس میں پایا جاتا ہو اسکی خبر قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

اور جس میں بدعت مستلزم فسق ہو اسکی حدیث میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ مطلقاً مردود

ہے۔ اسکی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسکے قبول کرنے میں اسکی بدعت کی ترویج و اشاعت ہوگی۔ مگر یہ دلیل اگر تسلیم کرلی جائے تو پھر مبتدع کی وہ روایت بھی نامقبول ہونی چاہیے جس میں غیر مبتدع اسکا شریک ہو۔ کیونکہ اس سے بھی اسکی بدعت کی ترویج و اشاعت ہوتی ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ اگر وہ شخص دروغ گوئی کو حلال نہ سمجھتا ہو تو اسکی حدیث مطلقاً قبول کی جائیگی۔ اور بعض کا قول ہے کہ مبتدع اگر اپنی بدعت کی دعوت نہ دیتا ہو تو قبول کی جائے ورنہ نہیں، کیونکہ اس صورت میں بدعت کو خوشنما بنانے کی خواہش اس کو وضع اور تحریف پر آمادہ کرسکتی ہے۔ یہی قول اصح ہے۔ ابن حبان تو کہتے ہیں کہ جو مبتدع اپنی جماعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اسکی حدیث مطلقاً قبول کرنے پر عموماً اتفاق ہے۔ لیکن اس میں مبالغہ ہے۔ البتہ اکثر کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کی حدیث قبول کی جائے بشرطیکہ وہ اسکی بدعت کی مؤید نہ ہو ورنہ بنابر مذہب مختار مردود ہوگی۔ حافظ ابو اسحٰق ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے جو ابوداؤد و نسائی کے شیخ ہیں کتاب معرفۃ الرجال میں اسکی تصریح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اگر راوی باوجود مخالف سنت ہونیکے صادق الکلام ہو تو جو حدیث اسکی منکر نہ ہو اسے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ اسکی بدعت کی مؤید نہ ہو"۔

تزکیہ و تعدیل
یعنی راوی کو معتبر قرار دینا

اکثر علماء فن کی رائے ہے کہ تزکیہ ایک شخص کا بھی معتبر ہے بشرطیکہ تزکیہ کرنے والا اسباب تزکیہ سے واقف ہو، ورنہ بلا غور و فکر سرسری نظر سے تزکیہ کر دینا کسی طرح معتبر نہیں ہو سکتا۔ ایک گروہ نے اس تزکیہ کو تزکیۂ شہادت پر قیاس کرکے کہا ہے کہ اس تزکیہ میں بھی تزکیۂ شہادت کی طرح دو شخص بقول اصح ہونے چاہئیں۔ مگر یہ قیاس مع الفارق ہے، اسلیے کہ یہ تزکیہ چونکہ بمنزلۂ حکم ہے اسلیے اس میں تعدد شرط نہیں۔ بخلاف تزکیۂ شہادت کے کہ وہ بمنزلۂ حکم نہیں بلکہ بمنزلۂ شہادت عند الحاکم ہے اس لیے اس میں تعدد ضروری ہے۔ پھر یہ اختلاف اُس تزکیہ میں نہیں جو بطور اجتہاد ہو بلکہ اس میں ہے جو بطور نقل ہو۔ نقلی تزکیہ میں بھی تعدد شرط نہیں ہے کیونکہ نقل اصل کی فرع ہے۔ جب اصل میں تعدد شرط نہ ہوا تو فرع میں کیونکر شرط ہوگا؟

لہٰذا صحیح تر یہی ہے کہ جو شخص خود معتبر ہو اور اپنی ذمہ داری کو جانتا اور سمجھتا ہو تنہا اسکے بیان پر ایک راوی کو قابل اعتماد تسلیم کیا جا سکتا ہے، البتہ بشرطیکہ راویوں کو معتبر قرار دینے میں اس کا تساہل معلوم و معروف نہ ہو۔

جرح مقدم ہے یا تعدیل؟ جرح و تعدیل میں تساہل و غفلت سے کام لینا علم حدیث میں سخت معیوب ٹھہرایا گیا ہے[1] اسلیے کہ بلا حجت کسی راوی کی تعدیل کرنا گویا ایک غیر معتبر حدیث کو ثابت کرنا ہے، خوف ہے کہ ایسا شخص بمنزلہ اس شخص کے ہو جائے جو ایک حدیث کو کاذب گمان کر کے پھر اسکو روایت کرتا ہے۔ اور اگر بلا احتیاط جرح کی جائیگی تو ایک بے لوث مسلمان پر ایسا طعن عائد ہوگا جسکا داغ ہمیشہ اس کی پیشانی پر باقی رہیگا۔ جرح میں زیادتی کبھی خواہش نفسانی اور کبھی عداوت و حسد وغیرہ سے بھی ہوتی ہے۔ غالباً متقدمین کا کلام اس قسم کی زیادتی سے پاک ہے۔ اور کبھی اعتقادی مخالفت سے بھی ہوتی ہے۔ اس قسم کی زیادتی متقدمین و متاخرین میں بکثرت موجود ہے۔ اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص مجروح بھی ہو اور اس کی تعدیل بھی کی گئی ہو تو کس پہلو کو ترجیح دی جائیگی؟ بعض علماء نے عموماً جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھا ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ اگر ایک شخص کی نسبت جرح و تعدیل دونوں کی گئی ہوں اور جرح کرنے والا اسباب جرح سے واقف ہو اور اس نے ان اسباب کو مفصل بیان کر دیا ہو تو اس صورت میں جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔ اور اگر جرح کرنے والا اسباب جرح سے ناواقف ہو یا واقف تو ہو مگر ان اسباب کو اس نے مفصل نہ بیان کیا ہو تو پھر تعدیل کو مقدم رکھا جائیگا۔

اگر کسی ایسے شخص پر جرح کی گئی ہو جسکی تعدیل کسی نے نہیں کی تو اس صورت میں بعض علماء کا میلان اس طرف ہے کہ اسباب جرح کی تفصیل ضروری نہیں۔ مجمل جرح قبول کر لی جائیگی، البتہ بشرطیکہ جارح اسباب جرح سے ناواقف ہو۔ مگر ابن الصلاح کا میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مجروح سمجھنے میں توقف کیا جائے[1] بہرحال جرح مجمل جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک مطلقاً مقبول نہیں ہے۔ اسلیے کہ بعض بڑے درجہ کے لوگوں نے بھی جرح میں زیادتی سے کام لیا ہے۔ مثلاً حافظ ابو محمد ابن حزم جو مشہور محدث و متکلم ہیں اپنے مسلک سے

---

[1] مقدمہ فتح الملہم۔

اختلاف رکھنے والوں پر ان کا تشدد معلوم و معروف ہے۔ اس قسم کے متشدد حضرات اگر کسی شخص پر جرح کریں اور اسباب جرح کی تفصیل نہ دیں تو لازم نہیں ہے کہ انکی جرح قبول کر لی جائے۔ انکی جرح دراصل مجروح کے حق میں محض انکی رائے کی حیثیت رکھتی ہے، اور کچھ ضروری نہیں کہ انکی رائے کو دوسرے لوگ بھی تسلیم کریں۔ جرح و تعدیل اور قول العلماء بعضھم فی بعض پر علامہ ابن عبد البرؒ نہایت ہی منصفانہ اور محققانہ فیصلہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں :۔

"یہ مقام (جرح و تعدیل) ایسا مقام ہے جہاں بے شمار لوگوں سے لغزشیں ہوئی ہیں اور انکی وجہ سے ایک جماعت لاعلمی کی بدولت غلط فہمی میں پڑ گئی ہے۔ مامون طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت مسلم اور اسکی امانت و جلالتِ علمی ناقابل انکار ہو، ثقاہت یقینی اور علمی شغف و سرگرمی میں کلام نہ ہو، اس کے بارے میں کسی شخص کی جرح قابلِ التفات اور درخورِ اعتناء نہ ہوگی، الا آنکہ جارح کوئی ایسا بین اور روشن ثبوت پیش کرے جس سے اسکی عدالت بطریق شہادت مجروح ہوتی ہو۔ رہا وہ شخص جسکی نہ امامت مسلم، نہ عدالت معلوم اور صحت روایت میں بھی اسکے ضعف حافظہ کی وجہ سے اشتباہ ہو سو اس کے بارے میں اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ اسے جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھ کر اسکی روایت پر قبول یا رد کا حکم لگایا جائے۔ اگر تم اسکی تحقیق کرنا چاہتے ہو کہ ایک مسلم امام کے متعلق کسی طعنہ زن کے کلام کا کہاں تک اعتبار کیا جا سکتا ہے تو سلف کے واقعات پر نگاہ ڈال کر دیکھو۔ ایک دوسرے کی شان میں ان کے بیشتر اقوال اور جرحیں موجود ہیں جن سے ان کی زبانیں بایں وجہ ملوث ہوگئیں کہ یا تو ان پر غضب و غصہ کی کیفیت طاری تھی، یا کوئی اور وقتی جذبہ غالب تھا، یا معاصرانہ چشمک تھی جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، مالک بن دینارؒ، اور ابو حازمؒ کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر علماء کے اقوال ایک دوسرے کے حق میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

جرحیں ایک دوسرے کے بارے میں تسلیم کرلی جائیں تو نئے نئے فتنوں کا دروازہ کھل جائے اور ضلالت وگمراہی کا بے پناہ طوفان برپا ہو جائے۔ غور کرو کہ حضرت سعید بن المسیبؒ کے متعلق حضرت عکرمہؓ کا قول کیسے معتبر ہو سکتا ہے؟ اور شعبی، نخعی، اہل حجاز، اہل مکہ، اہل کوفہ، اہل شام، اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ وغیرہ وغیرہ کے متعلق اقوال اور جرحوں کا علم و بصیرت کی سرفرازی حاصل ہوتے ہوئے اور رشد و ہدایت کی شاہراہ پر قائم رہ کر، اعتبار کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ اس لیے مناسب طریقہ وہی ہوگا جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یعنی جس امام کی عدالت مسلم اور انہماک مشہور و معروف ہو، ارتکاب کبائر سے محفوظ ہو اور تقویٰ و طہارت ناقابل انکار ہو اس کے بارے میں کسی شخص کی جرح جو دلیل و حجت سے عاری ہو معتبر و مقبول نہ ہوگی"۔[1]

بعض اصطلاحات ائمہ جرح و تعدیل

جرح و تعدیل کے محض ضروری مباحث اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ اب ائمۂ فن کی مخصوص اصطلاحات کی طرف چند اشارات کیے جاتے ہیں جن سے واقف ہوئے بغیر کوئی شخص ان کے کلام کو نہیں سمجھ سکتا۔ امام مسلم نے اپنے معرکۃ الآرا مقدمہ میں اور امام ترمذی نے کتاب العلل میں صدہا نکات اور فنی معلومات کا دریا بہا دیا ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بعض اہم اصول اور اصطلاحات کتاب الامام وغیرہ میں موجود ہیں۔ جو لوگ مطالعہ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں اگر وسعت ظرف نہیں تو کم از کم وسعت نظر ضرور پیدا کریں۔ ممکن ہے کہ اس طرح وسعت ظرف کی دولت و سعادت بھی ہاتھ آجائے، اور بجائے تنقید کے تحقیق کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ محدثین کرام جب حدثنی الثقۃ یا حدثنی العدل (مجھ سے ایک قابل اعتماد آدمی نے بیان کیا یا ایک عادل شخص نے) وغیرہ الفاظ بولا کرتے ہیں تو یہ تعدیل مبہم کہی جاتی ہے۔ اور جب لیس بثقۃ، لیس بشئ، ہو ضعیف، ذاھب الحدیث، مجروح، لیس بعدل، منکر،

[1] جامع بیان العلم و فضلہ جلد ثانی۔

متروک الحدیث، منکر الحدیث وغیرہ بولتے ہیں تو یہ جرح مبہم ہے۔ کشف اصول بزدوی میں ہے "ما الطعن من ائمة الحدیث فلا یقبل مجملا ای مبہما بان یقول ھٰذا الحدیث غیر ثابت او منکر او فلان متروک الحدیث او ذاھب الحدیث او مجروح او لیس بعدل من غیر ان یذکر سبب الطعن وھو مذھب عامة المحدثین والفقہاء[1]"

یعنی "ائمہ حدیث جب مجمل طریقہ سے کسی پر جرح کریں مثلاً یوں کہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے یا منکر ہے یا فلاں شخص متروک الحدیث ہے یا اس کی حدیث مقبول نہیں ہے یا وہ مجروح ہے یا وہ عادل نہیں ہے، اور تفصیل نہ بیان کریں کہ یہ رائے انہوں نے کس بنا پر قائم کی، تو عامۂ محدثین و فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ایسی رائے قبول نہ کی جائیگی"

محدثین جرح مفسر کا لفظ بھی بولا کرتے ہیں جسکی دو صورتیں ہیں، (۱) یہ ہے کہ جارح نے سبب کذب، فسق وغیرہ کو مطلق چھوڑ دیا اور کوئی تعیین نہیں کی، (۲) یہ ہے کہ جارح نے اس سبب کو بالتعیین ذکر کیا کہ یہ شخص فاسق ہے کیونکہ اس نے فلاں شخص کو فلاں دن فلاں مقام پر قتل کیا یا فلاں روز فلاں واقعہ میں جھوٹ بولا وغیرہ۔ لیکن تعدیل مبہم یا جرح مجمل ہر حال میں ناقابل قبول نہیں ہے۔ بعض ائمہ کی کچھ خاص اصطلاحیں ہیں جن سے واقف ہونے کے بعد ابہام دور ہو جاتا ہے۔ مثلاً امام شافعی جب اخبرنی الثقة عن ابن ابی ذئب فرماتے ہیں تو اس سے انکی مراد ابن ابی فدیک ہوتے ہیں۔ اور جب وہ اخبرنی الثقة عن الولید ابن کثیر کہتے ہیں تو ثقہ سے مراد ابو اسامہ ہوتے ہیں۔ اور جب وہ اخبرنی الثقة عن اللیث بن سعد فرمائیں تو یحییٰ بن حسان مراد ہوتے ہیں۔ اور جب اخبرنی الثقة عن ابن جریج کہتے ہیں تو وہ مسلم بن خالد الزنجی ہوتے ہیں۔ اور جب اخبرنی الثقة عن صالح مولی التوأمة فرمائیں تو ابراہیم بن ابی یحییٰ اور جب اخبرنی الثقة عن الاوزاعی فرماتے ہیں تو اس سے مراد عمرو بن ابی سلمہ ہوتے ہیں[2]۔ ابن معین کی بھی ایک اصطلاح "لیس بشئ" ہے۔ موصوف جب اس لفظ کو بولتے ہیں تو اس سے انکی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس راوی سے زیادہ احادیث مروی نہیں ہیں[3]۔ ابن معین کی اور بھی اصطلاحات ہیں۔ مثلاً لیس بہ باس اور لا باس بہ کہ اس سے مراد

---

[1] ارشاد الفحول، [2] فتح المغیث

یہ ہے کہ یہ راوی قابل اعتماد ہے[۱]۔

ابن قطان کی یہ عادت ہے کہ جس شیخ کے حق میں کسی نے ثقہ ہونیکی تصریح نہیں کی اس کے حق میں وہ لم یثبت عدالتہ (اس کی عدالت ثابت نہیں) لکھتے ہیں اور جس شیخ کی شان میں اسکے معاصر یا تلمیذ معاصر نے کلمات تعدیل نہیں کہے اس کے حق میں وہ لا یعرف لہ حال (اس کا حال معلوم نہیں) کہتے ہیں۔ امام دارقطنی بسا اوقات ایسے رواۃ کو مجہول کہدیتے ہیں جن کی توثیق دوسروں سے کی ہے حالانکہ اُن کا یہ مسلمہ مذہب ہے کہ "جس شخص سے دو ثقہ آدمیوں نے روایت لی ہو وہ مجہول نہیں ہے اور اس کی عدالت ثابت ہے"[۲]۔ اسی طرح امام بخاریؒ کی بھی کچھ اصطلاحات ہیں۔ ان کی جرحیں ترکوہ، انکرہ الناس، المتروک، الساقط فیہ نظر، سکتوا عنہ، وغیرہ الفاظ کے ساتھ ہوا کرتی ہیں۔ وضاع، کذاب جیسے الفاظ سے جرح بہت کم آپ سے ثابت ہے[۳]۔ بہت سخت جرح امام موصوف کی منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری کی یہ اصطلاح ہے کہ جب وہ منکر الحدیث بولتے ہیں تو اس سے روایت جائز نہیں (قال ابن القطان قال البخاری کل من قلت فیہ منکر الحدیث لا یحل الروایۃ عنہ) اسی طرح علماء اہل حجاز کی ایک اصطلاح خاص ہے۔ وہ لفظ کذب کا استعمال خلاف واقعہ غلط اور خطا کے معنی میں کرتے ہیں۔ علامہ ابن حجر مقدمہ فتح الباری ترجمہ عکرمہ میں رقمطراز ہیں کہ "ابن حبان کی تصریح کے مطابق اہل حجاز خطا کے معنی میں کذب بولا کرتے ہیں"۔

مسئلہ تدلیس بسا اوقات راوی کا سقوط اسدرجہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اسانید و علل سے خوب واقف ہیں وہی لوگ اس کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ جس خبر کی اسناد میں اس قسم کا پوشیدہ سقوط ہو اسے مدلّس کہا جاتا ہے۔ نور و ظلمت کے اختلاط کو لغت میں دلس کہتے ہیں۔ خبر مدلّس کا راوی بھی چونکہ اس شخص کے نام کو چھوڑ کر جس نے اس سے حدیث بیان کی ہے، ایسے الفاظ بولتا ہے جن سے یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ

[۱] فتح المغیث۔ [۲] فتح المغیث وغیرہ۔ [۳] مقدمہ فتح الباری۔

اس نے کسی ایسے شخص سے حدیث سنی ہے جس سے درحقیقت اس نے نہیں سنی، اس لیے اس کو مدلّس کہا جاتا ہے۔ مثلاً راوی نے امام حسن بصری سے حدیث نہیں سنی مگر قال الحسن یا عن الحسن کہتا ہے جس سے ناواقف آدمی اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ اس نے بلا واسطہ امام حسن سے سنا ہے۔ یہ تدلیس ہے اور ایسے راوی کی روایت نامقبول ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر یہ راوی کہے کہ مجھ سے حسن نے بیان کیا یا میں نے سنا تو یہ تدلیس نہیں بلکہ سراسر کذب ہوگا۔

جس طرح خبر مدلّس قبول نہیں کی جاتی اسی طرح مرسل خفی بھی قبول نہیں کی جاتی۔ مدلّس اور مرسل خفی میں بہت باریک فرق ہے۔ تدلیس میں مدلس کی اپنے مروی عنہ سے ملاقات ہوتی ہے بخلاف مرسل خفی کے کہ صاحب ارسال گو اپنے مروی عنہ کا ہم عصر ہوتا ہے مگر اس سے اسکی ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تدلیس میں بھی ملاقات شرط نہیں ہے صرف معاصرت کافی ہے۔ اس طرح تدلیس اور ارسال خفی دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں مغایرت ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ تدلیس کے لیے صرف معاصرت کافی نہیں بلکہ ملاقات بھی شرط ہے۔ دیکھو ابو عثمان نہدی، قیس ابن ابی حازم وغیرہ مخضرمین آنحضرت صلعم سے جو روایت کرتے ہیں یہ تدلیس نہیں بلکہ ارسال خفی ہے۔ اگر تدلیس کا مدار صرف معاصرت پر ہوتا تو یہ لوگ مدلّس ثابت ہوتے، کیونکہ یہ آنحضرت صلعم کے معاصر تو تھے مگر ان کی آپ سے ملاقات ہوئی ہے یا نہیں، یہ غیر معلوم ہے۔ امام شافعی اور ابو بکر رازی کا مذہب ہے، کہ تدلیس میں ملاقات شرط ہے، اور کفایہ میں خطیب کا کلام بھی اسی کا مقتضی ہے اور قابل اعتماد بھی یہی ہے۔

طبقات المدلسین محدثین کرام کی احتیاط اور غیر معمولی کدوکاش صرف واضعین حدیث اور کمزور راویوں ہی کی جستجو تک محدود نہ رہی بلکہ جو لوگ مدلّس ہیں ان کا پردہ بھی انہوں نے چاک کیا اور ان پر مستقل کتابیں لکھیں۔ میرے پیش نظر کتاب طبقات المدلسین لابن حجر ہے۔ اسکے صفحہ ۲ و ۳ پر علامہ موصوف بیان فرماتے ہیں :-

"قدماء میں سے جن لوگوں کی تصانیف میں مدلسین کا الگ تذکرہ کیا گیا ہے ان میں حسین بن علی الکرابیسی صاحب امام شافعی ہیں - پھر نسائی، پھر دارقطنی - پھر ہمارے استاذ الاساتذہ علامہ ذہبی نے کچھ اضافہ کیا ہے - پھر ان کے بعض تلامذہ نے اس باب میں ان کی پیروی کی جن میں سے ایک حافظ ابو محمد احمد بن ابراہیم مقدسی ہیں - علائی نے اپنی تصنیف میں وہ تمام چیزیں ایزاد کیں جو علامہ ذہبی سے رہ گئیں تھیں - پھر ہمارے استاد ابوالفضل بن حسین کا ذیل ہے -

متأخرین میں جن لوگوں نے مدلسین کی تخریج کی ہے ان میں جلیل القدر محدث برہان الدین الحلبی ہیں جنھوں نے علائی کی پابندی نہیں کی - علائی کی کتاب میں کل اسماء جنکی تخریج ہوئی ہے ۶۸ ہیں - ابن عراقی نے اس پر ۱۳ ناموں کا اور اضافہ کیا ہے - حلبی نے ۳۲ نام اور زیادہ کئے ہیں، اور میں نے ان پر ۳۹ نام اور بڑھائے ہیں - پس میری کتاب میں کل ۱۵۲ نفوس کا تذکرہ ہے"

ان ۱۵۲ افراد و اشخاص کو پانچ طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے - طبقہ اولی میں کل ۳۴ حضرات ہیں - طبقہ ثانیہ میں بھی ۳۲ ہیں - طبقہ ثالثہ میں پچاس ہیں - طبقہ رابعہ میں کل بارہ حضرات اور طبقہ خامسہ میں ۲۴ شامل ہیں -

پس انصاف، تحقیق اور صحیح تنقید کا تقاضا ہے کہ جب آپ قدیم زمانہ کے محدثین کی تحقیق پر اعتماد کرکے واضعین حدیث اور ضعیف راویوں اور تدلیس کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور ان کی روایتوں کو رد کر دیتے ہیں (درانحالیکہ خود آپ کے پاس ان کے حالات کی تحقیق کا براہ راست کوئی ذریعہ نہیں ہے) تو پھر انہی محققین کی تحقیق پر اعتماد کرکے ان لوگوں کو ثقہ اور قابل اعتماد بھی تسلیم کیجیے جن کو انھوں نے چھان بین کے بعد ثقہ قرار دیا ہے - ائمۂ حدیث کی صداقت اور حق پسندی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا

ہے کہ جو شخص جیسا اور جس حد تک ثقہ یا غیر ثقہ تھا اسکو انہوں نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے ویسا ہی بیان کر دیا۔ مگر اب جو حضرات تنقید حدیث کا دعویٰ لیکر اٹھتے ہیں ان کی دیانت کا حال یہ ہے کہ موضوع اور غیر معتبر احادیث اور جھوٹے اور کمزور راویوں کے متعلق جو معلومات پرانے زمانہ کے محققین نے فراہم کی ہیں ان کو تو یہ بڑی رنگ آمیزیوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں، مگر صحیح اور مستند روایتوں اور ثقہ راویوں کے متعلق جو کچھ ان بزرگوں نے لکھا ہے اسے صاف چھپا جاتے ہیں۔ حدیث اور رجال کے سارے ذخیرہ میں ان کی یرقان زدہ آنکھیں صرف انہی چیزوں کو دیکھتی ہیں جو ان کے اپنے مطلب کی ہیں۔ یہ ہر طرف جھوٹ اور بے ایمانی ہی ڈھونڈتے ہیں اور ان کا جی یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی ساری تاریخ اور انکی مذہبی روایات کے سارے ذخیرہ میں جھوٹ اور جھوٹوں کے سوا کچھ نظر نہ آئے، اس لیے جہاں سچائی اور سچے لوگوں کا ذکر آتا ہے، یہ بے چین ہو کر اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں تاکہ کوئی اسے نہ دیکھ سکے، اور جہاں جھوٹ اور جھوٹوں کا ذکر ہوتا ہے اسے لیکر یہ اس طرح اچھالتے ہیں کہ گویا تیرہ سو برس تک ان کے اسلاف اپنے نبی پر تہمتیں ہی تراشنے اور جھوٹی حدیثیں ہی گھڑنے میں لگے رہے ہیں اور ان میں کبھی کوئی سچا آدمی گذرا ہی نہیں ہے۔ کیسا پاکیزہ مقصد ہے جس کے پیچھے یہ ناقدین حدیث اپنا وقت اور اپنی محنتیں صرف کر رہے ہیں!

رسالہ دینیات

مؤلفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی

اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں تو اس رسالہ کا مطالعہ کیجیے۔ کوئی مسلمان بچہ جو اردو پڑھ سکتا ہو، اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ پنجاب کے بعض اسلامیہ اسکول اس رسالہ کو بطور نصاب دسویں جماعت کو پڑھا رہے ہیں۔ قیمت دس/ آنہ محصول ڈاک ۲/ خرچ وی۔پی ۲/

منیجر رسالہ ترجمان القرآن۔ ملتان روڈ۔ لاہور